• حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

جنگوں کا اصل ذمہ دار کون؟

ایک اہم خطاب جو ملک وملت کو آج بھی دعوت فکر دے رہا ہے

آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے: حضرات! مجھے آپ سے جس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے' وہ ہمارا آپ کا مشترک مسئلہ ہے' مسائل بہت ہیں' ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ بھٹکل سوچیں تو بہت دیر لگے گی اور بات بہت دور پہنچ جائے گی۔ یہ زندگی کا بڑے دردناک سانحہ ہے کہ یہاں ''آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے'' اسکی خرابی کی جڑ کیا ہے' اس پر ہاتھ رکھنا ہے۔

آپ میونسپلٹی کے واٹر ورکس (Water Works) کے نظام سے واقف ہیں' اگر یہاں نلوں سے خراب پانی آنے لگے جو معدہ کو خراب کرے' اور اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوں تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے نل میں کپڑا باندھ لے' چھان کر پیئے یا ابال کر پیئے' لیکن ہوشیاری یہ ہے کہ واٹر ورکس کو صاف اور درست کرنے کی فکر کی جائے' شہر کے منتظم سے درخواست کی جائے وہ اسے درست کرے' ہم اگر کپڑا باندھ کر یا چھان کر پی لیں گے تو بہت سے راستہ چلتے ناواقف پیاسے ہوتے ہیں منہ لگا دیتے ہیں' ان کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں کون سا طریقہ درست ہے؟

آج انسانیت کا واٹر ورکس خراب ہو گیا ہے' جہاں سے زندگی ابلتی ہے' وہ دہانہ خراب ہو گیا ہے' زندگی کے بجلی گھر میں خرابی آ گئی' جہاں سے سارے شہر میں بجلی تقسیم ہوتی ہے' انسانیت گھلتی پگھلتی جا رہی ہے' چور بازاری' رشوت ستانی' دھوکہ بازی کا دور دورہ ہے' آج کا انسان سب گندگیوں میں مبتلا ہے' آج کے فکر مند انسان ان نتائج پر جھنجلا رہے ہیں لیکن غصہ کس پر اتارا جائے اور اس کا ذمہ دار کس کو سمجھا جائے؟

اصل مجرم کون ہے؟ آپ تو انسان ہیں' جانور بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ ان کا دشمن کون ہے' کتا بھی مارنے والے ہاتھ پر دوڑتا ہے' ڈھیلے سے نہیں الجھتا' گدھے کی بے وقوفی ضرب المثل ہے' اسے ڈھیلا ماریئے تو وہ مارنے والے ہی کے پیچھے غصہ میں دوڑے گا' وہ سمجھتا ہے' خرابی کی جڑ اور مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے' ہم آپ جانور سے بھی گئے گزرے' شیشہ کے محل میں رہتے ہیں' چاروں طرف سے ڈھیلے برس رہے ہیں' ایک ہاتھ ہے' جو برسا رہا ہے' ہمیں وہ ہاتھ نظر نہیں آتا' ڈھیلے پر غصہ اتار رہے ہیں' وہ ہاتھ مطمئن ہے کہ نظر سے اوجھل ہے' اور دل کھول کر ڈھیلے برسا رہا ہے۔ بڑے بڑے لال بجھکڑ ڈھیلوں میں الجھے ہوئے ہیں' انسانیت کے سدھار کے غور وفکر میں عام مفکرین کا یہی

حال ہے‘ ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ: ہمارے سوچنے کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ ہے‘ ہم پورے غور وفکر اور کافی تجربے کے بعد بالکل مطمئن ہوگئے ہیں کہ پیغمبر سسکتی ہوئی انسانیت کے مسائل کو جس انداز سے حل کرتے ہیں‘ وہی صحیح طریقہ ہے‘ جب اس طرز پر‘ اس بنیاد پر کام ہوا‘ انسانیت کے دل کی پھانسیں چن چن کر نکل گئیں‘ آنکھوں کی سوئیاں خود بخود باہر ہوئیں‘ ایسی محبت کا زمانہ آیا کہ سب طرف آرام واطمینان ہوگیا‘ قرآن کہتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا راستہ بتلانے والے آئے‘ ان کی تعلیمات پر زمانہ کے پردے پڑ گئے‘ کچھ ہمیں علمی غرور بھی ہوگیا‘ ہم پڑھ لکھ گئے‘ اس لئے ہمیں ہزار دو ہزار برس پہلے کے طریقہ کار فرسودہ معلوم ہوتے ہیں‘ اور اس طریقہ پر سوچنا ہمارے لئے عار سا بن گیا ہے‘ لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج سب سے پرانا ہے‘ نئی روشنی والے پرانے سورج سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے‘ ہم نے پیغمبروں کا طریقہ اپنایا‘ ہم نے انسانیت کے سدھار کا مسئلہ ان سے سیکھا۔

خودغرضی اور بداخلاقی کا مون سون: وہ بتلاتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے۔ اگر کسی چیز کا سلسلہ کوئی بند کرنا چاہے‘ اور اس کے نتائج سے بچنا چاہے تو اس کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا مادہ ہی نہ پیدا ہونے پائے‘ آپ کو ایک عام فہم مثال دوں‘ گرمیوں میں سمندر میں ابخرات پیدا ہوتے ہیں‘ وہ ابخرات اٹھتے ہیں‘ گرمی سے وہ تحلیل ہوتے ہیں‘ پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں‘ اور موسلا دھار بارش بن کر برستے ہیں‘ ہم مون سون کو چادر یا شامیانہ سے نہیں روک سکتے۔ آج دنیا پر بداخلاقی کا مون سون چھایا ہوا ہے۔ یہ زرگری کا مون سون ہے‘ یہ خودغرضی کا مون سون ہے‘ دل کے سمندر سے خودغرضی کے ابخرات نفس پرستی کا شوق جب حد سے بڑھ جائے گا‘ عیش پرستی کی گرمی اسے گھلائے گی تو خودغرضی کا مون سون برسے گا‘ جو چادروں سے روکا نہیں جاسکتا۔

اس کا علاج: دل کے مانسون کو روکنے کے لئے اللہ کا یقین مرنے کے بعد اپنے اعمال کی جواب دہی کا یقین اور جزا وسزا کا یقین ضروری ہے‘ ایک ایسا شخص جوان بنیادوں کو نہیں مانتا اپنے پیدا کرنے والے‘ روزی دینے والے خالق ورازق کو نہیں پہچانتا‘ وہ دنیا پر اقتدار حاصل کرکے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے‘ وہ کمزوروں کا کیوں لحاظ کرے‘ وہ جانتا ہے کہ کوششوں سے اسے ایک موقع ملا ہے‘ وہ کہتا ہے زندگی کے پورے مزے لے لو‘ جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اوپر آگئے۔ وہ کیوں کسی کی بالادستی مانیں‘ کیوں کسی کے قانون کا احترام کریں‘ اور آج کا عیش کل پر کیوں چھوڑ دیں‘ اگر مجھے بھی معلوم ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں‘ اور لے دے کر یہی زندگی ہے‘ تو پھر اس دنیا کا عیش کس دن کے لئے اٹھا رکھوں‘ عرب کا ایک نوجوان شاعر بڑا حوصلہ مند اور صاف گو تھا‘ وہ کہتا ہے‘ دو قبروں کے ڈھیر برابر ہیں‘ اچھا وہ رہا جو خوب عیش کے مزے اڑا کر گیا‘ اور بڑا نامراد وہ ہے‘ جو تکلیفیں اٹھاتا رہا‘ جب مرنے کے بعد دونوں کو خاک ہونا ہے اور دونوں کا انجام ایک ہے تو میں کیوں اپنی حسرتوں کا خون کروں اور کس لئے ایثار کروں جتنا

زندگی کا لطف اٹھایا کروں میرا حق ہے۔

دوستو! ایک پرانے شاعر کا جو خدا اور آخرت کا قائل نہ تھا' فلسفہ زندگی ہے' آج ہمارے اس ترقی یافتہ دور کا بھی یہی فلسفہ زندگی ہے' آج کا فلسفہ اور تعلیم بھی یہی ہے کہ کھاؤ پیو اور مست رہو جب زندگی کا یہ نظریہ بن جائے تو اس سے یہی کردار تیار ہوگا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

<u>جنگوں کا ذمہ دار کون؟</u> موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مال داری اور مادی عروج ہے' ہمارا لٹریچر ہمارا آرٹ ہمارا ادب سب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ جس کے پاس مادی وسائل زیادہ ہوں اور جو جتنا زیادہ مالدار ہوتا اتنا ہی وہ شریف ہے' دولت مند ہی آدمی ہے' غریب آدمی ہی نہیں' آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے' اس کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص جلد سے جلد مال دار بننا چاہتا ہے' اور اس کے لئے جائز و ناجائز سب طریقے اختیار کرتا ہے' اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عزت' دولت ہی سے ہے۔

گزشتہ دونوں جنگیں مال و دولت اور عزت اور وجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں' ٹرین میں ایک ہندو دوست سے میرا تعارف کرایا گیا' وہ چھوٹتے ہی کہنے لگا کہ دنیا میں سارا فساد مولویوں اور پنڈتوں کا برپا کیا ہوا ہے' ان کا پیشہ ہی یہ ہے' میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پہلی اور دوسری جنگ مولویوں اور پنڈتوں ہی کی برپا کی ہوئی تھی' اس پر وہ خاموش ہوگئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر کا خون پینے والے اور خون کی ہولی کھیلنے والے یہودی صفت کارخانہ دار تھے ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں یہودی کارخانہ داروں کا ہاتھ تھا' ان کے اسلحہ کے بڑے بڑے کارخانے تھے' ان کو کھپانے کے لئے ان کو بڑی بڑی منڈیوں کی ضرورت تھی' ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت انہوں نے سازشیں کیں' وارداتیں کیں' اور ملکوں اور قوموں کو لڑا دیا' ایک کارخانہ کو چلانے کے لئے انہوں نے اتنا بڑا فساد برپا کیا کہ جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور ملک کے ملک تباہ ہوگئے' بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ بس ہماری تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے' ہماری قوم سرفراز ہو' یہ بڑے پیمانہ کی خود غرضیاں سارے فتنہ و فساد کی جڑ ہیں' تہذیب یا کلچر یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں ہوا' میں پوچھتا ہوں کیا ایک کلچر' ایک تہذیب اور ایک قومیت کے لوگ نہیں لڑے' ہمارے یہاں کورو پانڈو لڑے ہیں' جو ایک ہی خاندان کے لوگ تھے' عرب میں قبیلہ سے قبیلہ لڑا ہے۔ جس کی ایک ہی زبان اور ایک ہی کلچر تھا' افغانستان میں پٹھان پٹھان سے' پاکستان میں مسلمان مسلمان سے اور یہاں ہندوستان میں ہندو ہندو سے لڑتا ہے' اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کر رہے ہیں' خود غرضیاں ٹکرا رہی ہیں' غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔

<u>اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے:</u> پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی خرابی دور ہو' باہر جو بگاڑ ہے' وہ اندر سے پھوٹ رہا ہے' اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے' ہم سمجھے باہر کی خرابی اندر گھس گئی ہے' اور باہر کی اصلاح میں لگ گئے' جس طرح سارے جسم پر دل کی بیماری کا اثر پڑتا ہے' اسی طرح پورے نظام زندگی پر نیتوں کے فتور اور ذہنیت کی خرابی کا اثر

پڑتا ہے' پرانے قصوں میں آتا ہے کہ ایک بادشاہ سیر وشکار میں اپنے ہمراہیوں سے جدا ہوگیا اور اس کو رات بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارنا پڑی' بڑھیا نے دودھ دوہا وہ سیروں اترا' بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا' دوسرے وقت بکری کا دودھ کم ہوگیا' بادشاہ وہیں بیٹھا تھا' بڑھیا اس کو پہچانتی نہیں تھی' بڑھیا نے بڑے افسوس سے کہا کہ آج بکری کا دودھ کم ہوگیا' شاید بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا۔

انسان اس دنیا کا بادشاہ ہے' اس کی نیت میں فتور آ گیا' اس کا دل بگڑ گیا اس لئے یہ سب فساد اور خرابی نظر آ رہی ہے' پیغمبر کی نظر بہت گہری ہوتی ہے' وہ کہتے ہیں کہ دل کا پاپ دھو' دلوں کو مانجھو' دل ٹھیک کرو' دل کا بگاڑ ہی تو ہے کہ ہوا' چور بازاری شروع ہوگئی' اور جب قیمتوں کا کنٹرول ہوا تو سامان مفقود ہوگیا' اور لوگ ضرورت کی چیزوں کو ترسنے گے' جب تک انسان کا پاپی من درست نہیں ہوتا' کچھ نہیں ہوتا' کمیونزم نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا کہ بگاڑ اندر سے شروع ہوتا ہے' وہاں بھی من کی کوئی فکر نہیں کی گئی' مزدور فاقہ مستی کر رہے ہیں' وہ ان کے خون اور پسینہ پر عیش پرستی کر رہے ہیں' ان کی لاشوں پر شاندار عمارتیں تیار کر رہے ہیں' انہوں نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ ہر طرف من مانی ہو رہی ہے۔

<u>نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی:</u> ہماری سوسائٹی پاپی ہوگئی' اس میں ظلم کا رجحان پیدا ہوگیا' صرف شکوہ گلہ سے دنیا کی اصلاح نہیں ہوسکتی' دل صرف خدا کے خوف سے سدھر سکتا ہے' وہ صرف پیغمبروں کے بتلائے ہوئے طریقہ سے درست ہوسکتا ہے' اگر محض علم وادب یا آرٹ اور سائنس سے درست ہوسکتا ہے تو یورپ کا من پاپ سے بالکل پاک ہوتا' امریکہ میں نشہ بندی کا منصوبہ بنایا گیا' اس کے خلاف محاذ جنگ قائم ہوا' امریکہ نے کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے' ایک زبردست مہم چلائی گئی اور ایڑی چوٹی کا زور شراب بند کرنے پر لگا دیا گیا' اس کے خلاف اتنا زبردست اور وسیع لٹریچر تیار کیا گیا کہ اگر سب اخبارات اشتہارات اور میگزینوں کو پھیلایا جائے تو کئی میل تک پھیل جائے' لیکن جتنی کوشش کی گئی امریکہ کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کو اس کی اور زیادہ ضد ہوگئی' شراب کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگیا' آخر حکومت نے عاجز آ کر قوم کے ارادہ اور ضد کے مقابلہ میں ہار مان لی اور قانون واپس لے لیا' یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خارجی انتظامات اور دماغ کے راستہ سے جو کوششیں کی جاتی ہیں' وہ ناکام رہتی ہیں' اور کوئی بڑا نتیجہ نہیں پیدا کرتیں' امریکہ کی پڑھی لکھی اور مہذب دنیا نے لٹریچر اور ادب کے معقول اور وزنی دلائل کی ذرا پروا نہیں کی اور اپنے نفس اور خواہش کا ساتھ دیا۔

<u>ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ:</u> اس ملک میں جو اخلاقی انارکی پھیلی ہوئی ہے۔ وہ یہاں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے' افسانے اخلاق سوز باتیں پھیلا رہے ہیں' ہماری نئی نسلوں کو حیا سوز انجکشن دیئے جا رہے ہیں' سینما کے پردوں پر پاپ دکھایا جا رہا ہے' آنکھوں سے' کانوں سے' دل میں پاپ اتارا جا رہا ہے۔ اخبار اور رسالے پاپ کی کھلم

کھلا تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور اس کا کوئی توڑ نہیں، ہم صفائی سے علی الاعلان کہتے ہیں، ہمیں آزادی ملی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ لیکن اگر ہم اخلاق پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے تو آزادی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق: پیغمبروں کی تعلیم سے جو اخلاق بنتے ہیں، وہ مستقل اور مصلحت اندیشی سے پاک ہوتے ہیں، نفع ہو یا نقصان، جان جائے یا رہے، وہ اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑتے، آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے ایسا ذہن بنا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ جو اس وقت متمدن دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے، ایک رات حکومت کا کام کر رہے تھے، سرکاری چراغ جل رہا تھا، ایک ملنے والے آگئے، وہ سلام کر کے، مزاج پوچھنے لگے، انہوں نے جواب دینے سے پہلے چراغ بجھا دیا، پھر ٹمٹماتا ہوا دیا منگایا، آنے والے نے جب دریافت کیا تو کہا کہ وہ بیت المال کا چراغ تھا، تم آپس کی باتیں کرنے لگے، اس لئے میں نے اسے گل کر دیا کہ اگر اس کی روشنی میں گھریلو باتیں کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا، ایسی احتیاط کے نمونے کہیں کریملن کے حدود میں نظر آ سکتے ہیں، یہ اخلاقی قدریں اور روحانی بلندیاں ان کے خیال میں نہیں آ سکتیں، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ سکتے ہیں، اور ان کے خیال کی پرواز یہیں تک محدود ہے کہ ہر انسان کو پیٹ بھر کھانا، دوا، اور رہنے کا مکان ہو، بیگار نہ لو، خواہشات کا احترام کرو۔ وغیرہ وغیرہ

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جو ایران اور رومن ایمپائر کی دو زبردست شہنشاہیوں کے زبردست فاتح تھے، ان کے زمانے میں قحط پڑا تو اچھی غذا اپنے اوپر حرام کر لی، وہ سرخ وسفید تھے، لیکن تیل کھاتے کھاتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا۔

سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری: ہم سیدھی سادی بات یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستہ کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس بنیاد پر انسانوں کو انسانیت کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس کو سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری سمجھتے ہیں، ہم سے زیادہ کوئی اس کی خدمت نہیں کر سکتا، ہم مانتے ہیں کہ ملک کے لئے ایسا ادارے ضروری ہیں، جن سے ملک ترقی کرے ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، ملک کے لئے تعلیمی اداروں، شفاخانوں، صفائی کے محکموں کی ضرورت ہے، ملک کو رسل و رسائل، دفاع اور دوسرے محکموں کی ضرورت ہے، ان سب کے باوجود ملک میں ظلم، اندھیرا اور دوسرے کے پیٹ کاٹنے کا جو طاعون پھیلتا جا رہا ہے، اسے نہ روکا گیا تو اس کی عزت، اس کا وقار، اس کی آزادی خاک میں مل جائے گی، ہم سب سے کہتے ہیں کہ یہ ملک کی سب سے پہلی ضرورت ہے وہ تمام ادارے جنہیں میں پہلے ضروری اور مفید کہہ چکا ہوں، سب اس کے بعد آتے ہیں، ہم اس حقیقت کے پرچار کے لئے گھر سے نکلے ہیں، کوئی اور اس کام کو کرتا ہوتا تو اس کے ساتھ تعاون نہ کرتے۔

ہماری دعوت: ہم علی اعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حصہ رسد بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے، یہاں کی دولت میں حصہ لگانے نہیں آئے تھے، ہم ایک مشن، ایک

خدمت پر آئے تھے، ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے، یہاں جو مسلمان آئے تھے، وہ اخلاق، محبت، خدا پرستی کا پیغام لے کر آئے تھے، انہوں نے اس ملک کو کچھ دیا لیا نہیں، وہ رہنے آئے تھے، یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے، اگر ایسا سوچتے تو اتالہ کی ایسی شاندار و پائیدار مسجد نہ بناتے، وہ تو خدا پرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے، کہاں کے عرب، کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خود ساختہ حدیں ہیں، ساری دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت کے چلانے والے ایک اللہ کی طرف سے وہ یہ تعلیم لائے تھے، انہوں نے دنیا سے لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی، انہوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھردی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے، اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے کنبے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی، ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا، جو آیا غرباء میں تقسیم کیا، ضرورت مندوں کی جھولیاں بھریں، انہیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا، ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے تھے، جسم پر نشانات پڑ گئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر! آپ اللہ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں، اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، عمر! عیش تو آخرت کا عیش ہے۔

مسلمانوں کی غلطی: ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں، تم نے ان باتوں کو مانا ہے، تمہارا ان پر ایمان ہے، تم ان اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آ گئے، تم اپنے کردار اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو، اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو، تم دنیا کو اسلامی زندگی کی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو، وہ بڑی افسوسناک ہے، تم نے جو زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اس میں کون سی جاذبیت ہے، پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے، نقش چھوڑ جاتے تھے، دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے، مسلمان جدھر سے گزر گئے گلی کوچے معطر کر گئے، اور جہان سے چلے آئے وہاں سے سفارتیں بھیجی گئیں، کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے، مسلمان نہیں ہیں، جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں، اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلہ کریں، ان کی خواہش پر مسلمان بھیجے گئے، افسوس اب تم ایسے بن گئے کہ تمہارے نہ ہونے سے ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے؟ مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی، تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ بسائے گئے، اگر تم میں اخلاقی برتری ہوتی تو اخلاقی ضرورت کا احساس مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ کر رکھا جائے، تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا بچانے کو عیب سمجھتے، تمہارے دستکار اور مزدور محنت سے پورا دن لگ کر کام کرتے تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔